عبدالمنان*

ہنری پوٹنگر کا سفرنامہ بلوچستان و سندھ: مابعد نوآبادیاتی تجزیہ

Henry Pottinger's Travelogue of Balochistan and Sindh: A Postcolonial Analysis

Abstract:

This article presents a postcolonial reading of Henry Pottinger's *Travels in Beloochistan and Sinde* (1816), a travelogue that played a significant role in imagining the British imperial project in South Asia. Far from being a neutral account, Pottinger's narrative constructs a colonial knowledge system through his Eurocentric representations of geography, ethnicity, language, and everyday life in Baluchistan and Sindh. By critically analyzing the text, this study reveals how colonial discourses of domination and cultural othering are embedded in Pottinger’s descriptions. The article draws on postcolonial theoretical frameworks to examine how such travel narratives contributed to the ideological underpinnings of empire, simultaneously shaping and justifying British expansionism in the region.

Keywords: Colonialism, Postcolonialism, Balochistan, Travel Writing, Representation, Henry Pottinger, British Empire.

نوآبادیات نے علم کا ایک سراسر افادی معنی تشکیل دیا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی باقی علوم کو افادی ہی تسلیم کیا جاتا تھا؛ جیسے ارسطو نے کہا تھا کہ: ”باقی تمام علوم کا وجود کسی نہ کسی افادے کے لیے ہے لیکن فلسفہ ہی واحد آزاد علم ہے، اس لیے کہ اس کا وجود صرف اپنے لیے ہے[۱]۔“ لیکن ان علوم کی افادیت سے مراد سماجی خدمت اور نظامِ زندگی کی بہتری سے ہے۔ سسرو(Marcus Tullius Cicero۔۱۰۶ قبل مسیح-۴۳ قبل مسیح) نے تو ارسطو کے برعکس فلسفے کو بھی افادی علوم میں شامل کیا اور کہا ”ہم بھاگ کر تیرے پاس آتے ہیں، تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔۔۔ اے فلسفہ، تو رہنمائے زندگی ہے، تیرے بغیر کیسے وجود رہ سکتا تھا، صرف ہمارا ہی نہیں، پوری انسانی زندگی کا“[۲] لیکن افادیت کا یہ تصوّر مجموعی انسانی زندگی کے لیے تھا جب کہ نوآبادیاتی عہد میں علم کی افادیت ”کچھ لوگوں کی زندگی“ کے لیے مخصوص تھی یا ”ہم“ کی خوشحالی کے لیے ”وہ“ کے استحصال پر اپنی بنیادیں رکھتی تھی۔

نوآبادیاتی عہد میں جو علم تخلیق کیا گیا یا جس کی تشکیل کی گئی اس کے سیاسی مقاصد تھے۔ اس کا محرک نوآبادکار کی یہ خواہش تھی کہ ان علوم کو کس طرح نوآبادیوں میں اپنی اجارہ داری کو طویل المدتی بنانے میں بروئے کار لا سکیں۔ نوآبادیاتی علم کی

تمام جہتیں نہ صرف یہ کہ منطقی تضادات سے پُر ہیں بلکہ ''ہم''یعنی مغرب اور ''وہ''یعنی مقامی کی تفریق نے ایک مستقل تہذیبی جنگ، ایک علمی مباحثے اور کئی نئے تناظرات کو جنم دیا۔ نوآبادیاتی عہد میں پیدا ہونے والے افتراقات کو جسٹن ڈی ایڈورڈز نے اپنی کتاب مابعد نوآبادیاتی ادب (*Postcolonial Literature*) کے دوسرے باب میں درج ذیل زمروں میں تقسیم کیا ہے: ''ہم'' اور ''وہ''، ''مہذب'' اور ''وحشی''، ''مسیحی'' اور ''بے دین''، ''ذات'' اور ''غیر''، ''برطانوی'' اور ''جنگلی باشندے''، ''حاکم'' اور ''مطیع''، ''نوآبادکار'' اور ''نوآبادیات''[۳] یقیناً یہ فہرست حتمی نہیں لیکن اس میں بنیادی امتیازات کی وضاحت کر دی گئی ہیں۔ اگر سوال اٹھایا جائے کہ تفریق قائم کس لیے کی جاتی ہے تو واضح طور پر کہا جاتا ہے کہ فرق کے بغیر ''شناخت'' قائم نہیں کی جاسکتی۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اگر ان تمام عوامل کو ختم کر دیا جائے جو ایک ''آقا'' کو آقا اور ایک ''غلام'' کو غلام بنا دیتے ہیں تو یقیناً نہ ''آقا'' اپنی شناخت کو برقرار رکھ سکتا اور نہ ہی غلام کی یہ شناخت باقی رہ جاتی ہے۔ نوآبادیاتی عہد نے محض علم و ادب کے باب میں طاقت کے رشتوں ہی کا جال نہیں بچھایا بلکہ نفسیاتی، تہذیبی و ثقافتی اور جغرافیائی سطحوں پر بھی جتنے بحران نوآبادیاتی عہد میں پیدا ہوئے، گزشتہ انسانی تاریخ میں ان کی مثال ڈھونڈنا مشکل ہے۔

نوآبادیاتی تحاریر میں جہاں مشرق و مغرب کے درمیان تہذیبی و جغرافیائی فاصلے کو دیکھا جاسکتا ہے، وہیں مشرق و مغرب میں ایک متناقض نوعیت کا نقطۂ اتصال بھی دکھائی دیتا ہے اور یہ ''نقطۂ اتصال''، دراصل استحصالی ڈوریں ہیں جو علم کی افادیت کو ممکن بناتی ہے۔ جہاں یورپی ''ہم'' اور غیر یورپی ''وہ'' کی کش مکش جاری ہے۔ مشرقی علوم کو جس طرح رڈی کی ٹوکری میں ڈال دیا گیا اس کی وضاحت کے لیے پبلک انسٹرکشن کمیٹی بنگال کے صدر ٹی۔ بی۔ میکالے (۱۸۰۰-۱۸۵۹ء) کا یہ اعلان کافی ہے کہ: ''اچھی یورپی لائبریری کی صرف ایک شیلف ہندوستان اور عرب کے پورے مقامی ادب پر حاوی ہے۔''[۴] اس استعماری بیانیے نے تہذیب آموزی کے منصوبے کی حمایت کی۔ اس منصوبے کا ایک اہم مقصد میکالے کے الفاظ میں ایک ایسی نسل تیار کرنا تھا ''جو رنگ اور خون کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوگا لیکن اپنے ذوق، رائے اور اخلاق اور ذہانت میں انگریز ہوگی''[۵]۔ اس نوآبادیاتی منصوبے کے ذریعے اگرچہ تمام متوقع ثمرات حاصل نہیں کیے جاسکے، تاہم سفید حکمرانوں نے بہت ساری جگہوں پر اپنی کامیابی کا دعویٰ کیا۔

نوآبادیاتی مغرب کے افادی علوم پر بہت کچھ لکھا گیا اور ابھی تک لکھا جارہا ہے اور اسے علمی دنیا میں مابعد نوآبادیاتی مطالعات کا نام دیا جاتا ہے۔ ناصر عباس نیرّ کے بقول ''مابعد نوآبادیاتی تجزیہ یورپ کو نہیں، کولونیل ازم کو مرکز میں رکھتا ہے''[۶]۔ لیکن اب ہم برطانوی نوآبادیاتی عہد سے ایک واضح فاصلے پر ہیں اور اس کا معروضی تجزیہ بھی ممکن ہے تاہم بعض اوقات پرانے متون تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے بہت سارے خطوں اور تہذیبوں کی نوآبادیاتی تاریخ پس پردہ چلی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی بازیافت کے لیے ہم دست یاب متون کی طرف لوٹتے ہیں۔

بلوچستان کا خطہ قریب قریب ایسا ہی ہے جس کے بارے میں بہت کم ایسا تحریری مواد دستیاب ہے جس پر نو آبادکار کے نقطۂ نظر کا گہرا اثر ہو، ہنری پوٹنگر (Sir Henry Pottinger۔۱۷۸۹ء-۱۸۵۶ء) کا سفر نامہ اسی زمرے میں شامل ایک متن ہے جس کا مابعد نو آبادیاتی تجزیہ ہم آگے چل کر پیش کریں گے۔ لیکن پہلے ہنری پوٹنگر کا مختصر تعارف ضروری ہے۔

ہنری پوٹنگر کی زندگی مسلسل مہم جوئی کی مثال ہے۔ ایک توسیع پسند سلطنت میں، ایک اولوالعزم شخص کن مشکلوں سے گزرتا ہے، اور اسے کتنے سفر کرنے پڑتے اور کس طرح بڑے عہدے، بطور انعام ملتے ہیں، ہنری پوٹنگر کی سوانح میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ ۱۳ اکتوبر ۱۷۸۹ء کو ایلڈریڈ کرون پوٹنگر (Eldred Curwen Pottinger) کے گھر کاؤنٹی ڈاؤن آئرلینڈ میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں انھوں نے بیل فاسٹ (Bellfast) اکیڈمی میں داخلہ لیا لیکن ۱۲ سال کی عمر میں وہ بحری سفر پر روانہ ہوئے۔ ۱۸۰۳-۱۸۰۱ء میں ہندوستان کی میرین سروس میں شامل ہونے کے لیے گئے لیکن ۱۸۰۴ء میں دوستوں کے توسط سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں بطور کیڈٹ شامل ہو سکے۔ اس دوران انھوں نے ممبئی میں تعلیم حاصل کی اور ہندوستانی زبانوں پر مہارت حاصل کرنے کی کوشش بھی کی۔ ۱۸۰۶ء میں ''انسائن'' (Ensign) یعنی بحری بیڑوں کے ''علم بردار'' مقرر ہوئے اور ۱۸۰۹ء میں لیفٹیننٹ کے عہدے پر ترقی پا گئے۔ وہ ۱۸۲۱ء میں کیپٹن، ۱۸۲۵ء میں میجر، ۱۸۲۹ء کو لیفٹیننٹ کرنل اور ۱۸۳۴ء کو بریوٹ کرنل (Brevet Colonel) بنائے گئے۔ برطانوی افسر لارڈ آکلینڈ (Lord Auckland) کے رویے سے اختلاف کے نتیجے میں پوٹنگر نے ۱۸۴۰ء میں ہندوستان چھوڑ دیا۔ ۱۸۴۰ء میں چین کی پہلی افیون جنگ میں انھیں دوبارہ طلب کیا گیا، ۱۸۴۲ء کو پوٹنگر اور چینیوں کے درمیان نانکنگ معاہدہ ہوا، جس نے برطانیہ اور چین کے درمیان پہلی جنگِ افیون کا خاتمہ کیا۔ ۱۸۴۴ء میں وہ برطانیہ چلے گئے اور پھر زندگی بھر برطانیہ کی ''دارلعوام'' نے انھیں ۱۵۰۰ پاؤنڈ دینے کا فیصلہ کیا۔ پوٹنگر ۱۸۴۶ء میں کیپ ٹاؤن کے گورنر بنے لیکن ۱۸۴۸ء میں پھر ہندوستان آئے اور مدراس کے گورنر بنائے گئے، ۱۸۵۱ء میں لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے تک ترقی ہوئی، بعد میں خرابی صحت پر برطانیہ لوٹے، اور ۱۸ مارچ ۱۸۵۶ء کو مالٹا میں انتقال کر کے ولیٹا (Valletta) میں دفن کیے گئے۔

پوٹنگر ۱۸۰۸ء کو سندھ کے مشن پر اور ۱۸۰۹ء میں بلوچستان کے مشن پر بھیجے گئے۔ اس مشن میں ان کے ساتھ کیپٹن کرسٹی (Captain Charles Christie-م:۱۸۱۲ء) بھی شامل تھے۔ وہ ممبئی کے سمندری راستے سے سندھ پھر بلوچستان کے علاقوں قلات اور نوشکی سے کرمان اور شیراز کی طرف گئے جب کہ ان کے دوست کیپٹن کرسٹی ہرات سے یزد اور اصفہان گئے۔ پوٹنگر بغداد اور بصرہ سے ہوتے ہوئے فروری ۱۸۱۱ء میں پھر ممبئی پہنچے۔ انھوں اپنی اس روداد کو *Travels in Beloochistan and Sinde* میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان کی یہ کتاب لانگ مین پریس لندن سے ۱۸۱۶ء میں پہلی دفعہ چھپی۔

۱۸۰۹ء میں انگریز حکام نے اپنے تین فوجی افسروں کو بلوچستان کی خطرناک مہم کے لیے منتخب کر لیا۔ ان فوجی افسران

میں لیفٹیننٹ ہنری پوٹنگر، لیفٹننٹ گرانٹ (Lieutenant Grant) اور کیپٹن کرسٹی شامل تھے۔ علاوہ ازیں افغانستان کے لیے الفسٹن (Elphinistone۔ ۱۷۷۹-۱۸۵۹ء)، لوئیس ڈپری (Lious Dupree۔ ۱۷۷۹-۱۸۵۹ء) اور میلسن کا انتخاب کیا گیا، جب کہ ایران کے لیے پرسی مولسورتھ سائیکس (Percy Molesworth Sykes ۱۸۶۷ء-۱۹۴۵ء) کو منتخب کیا گیا[۷]۔ یوں ہنری پوٹنگر ایک برطانوی جاسوس کی حیثیت سے ۲ جنوری کو ممبئی کی بندر گاہ سے روانہ ہو کر ۱۶ جنوری ۱۸۱۰ء کو بلوچستان کے سونمیانی ساحل پر اترے اور پوٹنگر کے بقول یہ سفر بریگیڈیئر جنرل میلکم (General Malcolm۔ ۱۷۶۹-۱۸۳۳ء) کی ہدایت پر اختیار کیا گیا۔ یہ ایک جاسوسی مہم تھی، اور اس کا مقصد بوناپارٹ کے برطانیہ مخالف منصوبوں کے سدّباب کے لیے ان تمام ممالک کی ماہیت اور ان کے وسائل کی چھان بین تھا، جہاں جہاں سے یورپیوں کا گزر ہوتا تھا۔ بلوچستان کے اس سفر کی سربراہی بریگیڈیئر میلکم نے کیپٹن چارلس کرسٹی کے حوالے کی جو ہنری پوٹنگر کے ہم سفر تھے۔ پوٹنگر بلوچستان کے شہروں: اوتھل، بیلہ، خضدار، سوراب، قلات، نوشکی، کلوگن، دزک، عثمان آباد، بمپور، بسمان سے ہوتا ہوا، ۲۱ اپریل کو ایران میں داخل ہوا۔ پوٹنگر نے سوا تین مہینے میں بلوچستان کے ۹۲۸ میل سے زیادہ رقبے پر سفر کیا۔ اور اسی جاسوسی مشن کے تحت وہ شیراز جا پہنچا، اور سات برس بعد اس سارے سفر کی روداد کو قلم بند کیا۔

پوٹنگر کی یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ ہنری پوٹنگر کی ڈائری کا ہے جو ۲ جنوری ۱۸۱۰ء سے ۶ فروری ۱۸۱۱ء تک محیط ہے۔ جب کہ حصہ دوم ۲۹ اپریل سے بعد کی روداد پر مشتمل ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ انور رومان[۸] نے کیا اور اس کی اشاعت ۱۹۸۰ء میں نساء ٹریڈرز کوئٹہ کی طرف سے عمل میں آئی، زیر نظر تجزیہ اس اردو ترجمے کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا جارہا ہے۔ تاہم اصل انگریزی کتاب کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہے اور تمام اقتباسات کے اصل انگریزی متون ملاحظہ کیے گئے ہیں۔

ہنری پوٹنگر کا سفرنامہ بلوچستان و سندھ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں چودہ اور دوسرے حصے میں پندرہ ابواب ہیں۔ یہ سفر نامہ ایک طرف جغرافیائی معلومات پر محیط ہے، یعنی اس میں بلوچستان و سندھ کے چٹیل میدان، پہاڑی سلسلے، صحرا اور مختلف علاقوں کی آب و ہوا سے متعلق معلومات پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے، دوسری طرف اس سفر نامے میں بلوچستان و سندھ کے مختلف علاقوں کے رسوم و رواج، رہن سہن، مذہبی عقائد، کاروبار، تجارت، زراعت، گلہ بانی جیسی معلومات کے علاوہ یہاں کے رنگ، نسل، زبان اور موسیقی وغیرہ پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ پوٹنگر نے ان تمام معاملات کا باریک بینی سے جائزہ لینے کی کوشش کی جو افادی پہلو سے زیادہ اہمیت کے حامل تھے۔ انھوں نے شہروں کے نام اور ان کی نوعیت، اس کی تاریخ اور لوگوں کے مزاج کو اپنے مشاہدات میں شامل کر لیا۔ طرزِ حکومت، سماجی درجے اور مراتب کا جائزہ لیا۔ یہاں موجود اشیا و افکار کا یورپ سے موازنہ کر کے مخصوص استعمار پسندانہ نتیجہ نکالا۔ سفر نامے میں یہاں کے کھیلوں، تفریحات و مشاغل پر بھی تجزیات پیش کیے گئے

ہیں۔ ڈھائی ہزار میل کے سفر کی اس روداد میں بعض غلط بیانات بھی شامل ہیں؛ جن میں قبلہ کو آنحضور ﷺ کا مزار بتانا، گوشت کھاتے وقت ہر لقمے پر منہ دھونا، براہویوں کو سلاجقہ اور سلاجقوں کو تاتار وغیرہ کہنا شامل ہیں۔ یہ سفر نامہ بحیثیت تاریخ ناقابل اعتبار جب کہ برطانوی استعمار کی توسیع کے امکانات کے جائزے پر مشتمل ضرور ہے۔ اس سفر نامے میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں، قبائلی سربراہوں، یا حکومتی عہدیداران کے متعلق بھی اپنے تجربات تحریر کیے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس وقت کے افغانی تاجروں اور ان کے طریقِ تجارت پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ غرض بلوچستان و سندھ کے حوالے سے شاید ہی کوئی ثقافتی، لسانی، نسلی، مذہبی یا کوئی اور پہلو باقی رہا جس پر پوٹنگر نے اپنے تجربات تحریر نہ کیے ہوں۔

ہنری پوٹنگر نے بلوچستان کے جغرافیائی حالات، نسل و مذہب، رہن سہن، قبائل، عادت و خصلت، طرز حکومت، تجارت سمیت مختلف پہلوؤں سے گفتگو کی ہے لیکن اس نے اپنے سیاسی عزائم چھپانے اور کسی بھی قسم کی مقامی مزاحمت سے بچنے کے لیے بھیس بدل کر سفر کیا۔ خود انھوں نے اپنے سفر نامے میں، اس امر کی وضاحت کر دی ہے۔

> جب ہم ساحل سے روانہ ہوئے تو کافی اندھیرا ہو چکا تھا اور چوں کہ ایک تازہ بتازہ نسیم بحری چلنے لگی اور ہم رات گئے سوار ہوئے تھے، لہٰذا ہمیں ہم سفروں کے پالینے کا خطرہ کم تھا، پھر بھی ہم نے ایسا کامیابی سے بھیس بدلا اور یورپی لباس کو مقامی لباس سے تبدیل کیا کہ افغان ہمیں رنگ کے اعتبار سے یورپی سمجھنے کے باوجود ہمارے اصل کرداروں پر ذرّہ بھر بھی شک نہ کر سکے۔[۹]

پوٹنگر نے جزوی طور پر ایک مسلمان حاجی کے بھیس میں بھی سفر کیا۔ بھیس کی تبدیلی، نوآبادیاتی عہد کے پہلے مرحلے کی ایک اہم ضرورت اور نشانی ہے۔ استعمار کار، مقامی خطوں سے متعلق ہر طرح کی مستند براہ راست معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انھیں اپنے ان مقاصد کے سیاسی ہونے اور مقامی لوگوں کی طرف سے ردّ عمل کا یقین تھا، اس لیے وہ اپنی حقیقی شناخت کو چھپاتے تھے۔ ابھی وہ مرحلہ نہیں آیا تھا، جہاں وہ اپنی حقیقی شناخت اور حقیقی سیاسی واستعماری مقاصد کا بے باکانہ اظہار کر سکتے تھے۔

پوٹنگر کا یہ سفر ایڈورڈ سعید کی بنائی ہوئی علم، مقصد اور اقتدار کی تثلیث کی پہلی کڑی ہے۔ یعنی جاننا سیاسی افادیت کے لیے یا علم حاصل کرنا مقصد کے لیے اور یہ مقصد اقتدار حاصل کرنا ہے۔ اگرچہ پوٹنگر کے لفظوں سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ بوناپارٹ (۱۸۲۱-۱۷۶۹ء) کے خلاف برطانوی طاقت کے مقابلے کے لیے میدان جنگ اور راستوں کا جائزہ لے رہے تھے لیکن وہ ان علاقوں کو کیوں کر دیکھنا چاہتے تھے جو اس وقت تک برطانوی نوآبادیات کا حصہ ہی نہیں تھے؟ کیا وہ ایک طویل جنگ کی تیاری کر رہے تھے؟ کیا وہ اپنی جنگوں کو ان سب خطوں تک لے جانے کا تخیل، ابتدا ہی سے رکھتے تھے، جہاں خود ان کے لیے پہنچنا، دشوار تھا؟

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ پہلے ''ان'' سب کو جاننا چاہتے تھے، جنھیں انھوں نے اپنا ''غیر'' بہت پہلے سے سمجھا ہوا تھا۔ ایڈورڈ سعید اپنی کتاب شرق شناسی میں سیاسی علم سے متعلق مغربی نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کسی چیز کے بارے میں علم کا مطلب ہے کہ ''ہمیں'' حاوی و قابض ہونا اور اس پر اختیار حاصل کرنا ہے اور یہاں اختیار کا مطلب یہ ہے کہ ''ہمیں'' اختیار حاصل ہے کہ ہم ''کسی کو'' اختیار نہ دیں، یعنی مشرق کے ملک کو خود اختیاری یا آزادی نہ دیں، کیوں کہ ہم اس کو جانتے ہیں اور یہ اس طرح ہی زندہ ہے جس طرح ہم اسے جانتے ہیں۔ برطانیہ کے مصر سے متعلق علم سے مراد یہ ہے کہ مصر بالفور کا ہے اور اس علم کا وزن کم تری اور برتری کے سوالات کو بہت معمولی بنا دیتا ہے مگر بالفور کبھی بھی اور کہیں بھی برطانیہ کی برتری اور مصر کی کم تری کا انکار نہیں کرتا۔ وہ ان کو پہلے سے فیصل شدہ حقیقت سمجھتا ہے جب وہ علم کی بات کر رہا ہوتا ہے۔[۱۰]

سعید علم سے متعلق برطانوی تصوّر کا اطلاق پورے مشرق پر کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاسی علم، مقصد و اقتدار کی تثلیث، افریقہ، آسٹریلیا اور لاطینی امریکہ تک ایک ہی طرح سے کارفرما محسوس ہوتی ہے۔ مغرب نے اپنی نوآبادیوں یا جن خطوں کو وہ نوآبادی بنانا چاہتے ہیں، ان کا حقیقی و واقعی علم حاصل نہیں کیا، اپنی منشا کے مطابق علم حاصل کیا۔ مثلاً پوٹنگر ایک جگہ رات کو بلوچوں کے بزنجو قبیلے کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں تو وہاں چند مطرب آتے ہیں جو اپنے ہاتھ میں ستار اور شاید دوسرے آلات موسیقی کو اٹھائے ہوئے آتے ہیں اور روایتی انداز میں اپنے آباؤ اجداد کے جنگی کارناموں کو بیان کرتے ہیں تو پوٹنگر ان سُروں کو بدمزہ و بے لطف اور ان کے اشاروں کو بے معنی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ منظر بزنجوؤں اور بہت سے دیگر بلوچ قبائل کی وحشیانہ زندگی کا کماحقہ مظہر ہے۔[۱۱]

یہ وہی بات ہے جو وہ محض مشرقی لوگوں کے موسیقی کے بارے میں نہیں بلکہ ان کی زبان اور مذہب کے بارے میں بھی کیا کرتے تھے۔ اس رائے کے پس منظر میں ''ہم مہذب'' اور ''وہ وحشی'' کی تفریق دیکھی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں یہاں محض یہ نہیں کہ مشرقی / مقامی موسیقی کو کم تر خیال کیا گیا ہے بلکہ اس کے پیچھے یورپ بطور کبیری بیانیے کی تشکیل کا عمل جاری ہے جو لسانی، ثقافتی، مذہبی اور سماجی لحاظ سے ایک معیار ترتیب دے رہا ہے؛ جو اس معیار پر پورا نہیں اترتا وہ ابھی تک انسان بنا ہی نہیں یا پھر ارتقا کے انتہائی نچلے درجے پر ہے۔ اس طرح کی تفریق دراصل نوآبادیاتی نظام کی عقلی تاویل کی کوشش ہے، جس میں تاریخ پر محض ان کی ''اجارہ داری'' ہے جو مہذب کہلاتے ہیں اور وہی تہذیبی و تاریخی تبدیلی کا رخ موڑنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں۔ وہ اسی پیمانے سے مشرق کو ناپتے ہیں جو ان کے پاس ہے یا پھر انھوں نے بطور خاص مشرق یا دیگر نوآبادیات کے لیے وضع کیا ہے۔ ان کے یہاں یہ خیال موجود تھا کہ غیر یورپی خطوں کو کم تر ثابت نہ کرنا، گویا خود اپنے یہاں، احساسِ ندامت و احساسِ گناہ پیدا کرتا ہے۔ اس لیے وہ لازم خیال کرتے تھے کہ نوآبادیوں کی نمائندگی کے کسی بھی پہلو کو اس سے خالی نہ رکھا جائے کیوں کہ مشرق کو کم

تر ظاہر کرنا بہر حال ایک مہذب، مسیحی اور یورپی ہونے کا فرض تھا۔ یورپی استعمار پسند، جہاں اپنی آبادی منتقل کر سکتے تھے، وہاں انھوں نے تاریخی تشدد سے کام لیا؛ مقامی باشندوں کو ان کے گھروں اور زمینوں سے نکال دیا۔ جہاں ایسا ممکن نہیں تھا، خصوصاً ایشیا میں، وہاں اپنا اجارہ قائم رکھنے کے لیے ان کی ثقافتوں کو بدنام کر کے، اپنی ثقافت کو لا بسایا۔ حقیقت یہ ہے کہ "انیسویں صدی کے آخر تک وہ ایسے وسیع و عریض علاقے میں حکمران ہو چکے تھے، جہاں کی مقامی ثقافتوں کے بارے میں انھوں نے پہلے کبھی سنا تک نہ تھا۔ وہ جلد ہی اس بات کو پا گئے کہ اگر انھیں ان آبادیوں پر اپنا تسلط قائم رکھنا ہے اور وہاں کے لوگوں کی محنت سے نفع کمانا ہے تو ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں کے طرزِ عمل کو سمجھیں۔ مختصر یہ کہ یورپی حاکموں کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ وہ ثقافت کے مسئلے سے دوچار ہیں۔ یہ حقیقت پوٹنگر کے سفر نامے کے صفحات سے بھی عیاں ہے۔ ثقافت آشنائی کی کوششوں میں پوٹنگر کبھی کہیں نکل جاتے ہیں اور کبھی کہیں۔ وہ کبھی کبھار براہوی زبان بولنے والوں کو پہاڑی بلوچ کہتے ہیں اور کبھی مکرانیوں کو بلوچوں سے الگ کہتے ہیں اور کبھی براہوی کو بھی الگ دائرے میں لے جاتے ہیں۔ حالاں کہ بلوچ ایک کثیر النسل قوم ہے جو مختلف علاقائی، قبائلی اور لسانی منطقوں میں موجود ہے۔ ایک جگہ پوٹنگر کی مہمان نوازی قبائلی لوگ جس انداز سے کرتے ہیں اس کو وہ متضاد بیانیوں کی نذر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

> ان کے عادات و اطوار معتدل، سادہ اور دلآویز تھے اور اس پناہ گاہ میں ان کا واحد تردد اپنے ریوڑ کو بھیڑیوں اور چرخوں کے شبانہ حملوں سے بچانا، دن کے وقت بہ حفاظت چرانا اور صبح و شام ان کا دودھ دوہنا تھا اور ان تمام مواقع پر مرد عورت یکساں طور پر مستعد اور ماہر تھے۔ ہمارے اترنے سے ذرا ہی قبل ریوڑ گھر لائے گئے تھے اور حیران کن طور پر ان سب کو نہایت عجلت اور باقاعدگی سے دوہا گیا اور باڑوں میں بند کر دیا گیا۔ اس وقت ہر متنفس نے ہاتھ بٹایا خواہ سربراہِ خاندان تھا یا کم سن۔ بھیڑوں کو بکریوں سے علیٰحدہ بالٹیوں میں دوہا گیا، کیوں کہ ان کے مکھن سے بننے والا گھی پائیدار سمجھا جاتا۔ گو براہویوں کے نزدیک یہ تازہ بہ تازہ تقویت بخش ہوتا ہے۔ جب گھریلو کام پورے ہو گئے تو مستورات اور بچے ہمارے الاؤ کے گرد آ گئے۔ اور نہایت بے تکلفانہ گپ شپ لڑاتے رہے۔ ان کے اور ان کے مردوں کے طور طریق سے دوسرے کے کام آنے کی مخلصانہ کوشش و خواہش کا اظہار ہوتا تھا جس میں انعام و اکرام کی کوئی غرض نہ تھی۔ ہمیں ان وحشی اور غیر مہذب چرواہوں سے جو حسنِ سلوک نصیب ہوا، اس کی مسرت صرف وہی محدودے چند لوگ محسوس کرتے ہیں، جو ہماری جیسی صورتِ حال سے گزرے ہوں۔"[۱۲]

اس متن کے اندر موجود تضادات واضح ہیں۔ ایک طرف ان مقامی لوگوں میں اشتراکیت کے جرثومے عمل میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ سربراہ خاندان، عورت بچے سب یکساں کاموں میں شریک ہوتے ہیں۔ مارکسی نظریات کی رو سے شعور کی یہی سطح

انسانیت کی معراج اور مقدر ہے۔ لیکن مارکسی اسے پوری دنیا کے لوگوں تک پھیلاتے ہیں اور نجی ملکیت کا خاتمہ کر کے محنت اور اجرت کی برابری چاہتے ہیں۔ اور اسی سے طبقاتی نظام کا خاتمہ اور ایک کمیونسٹ سماج کی تشکیل ممکن ہے۔ دوسری طرف درج بالا متن ہی میں پوٹنگر خود اقرار کر رہا ہے کہ لوگ ایک دوسروں کے کام آنے کی مخلصانہ کوشش کرتے ہیں اور انعام و اکرام کے لالچ کے بغیر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ نیز خواتین پر جبر کا عنصر کہیں نظر نہیں آتا جسے عموماً مشرق سے مخصوص سمجھا جاتا ہے اور اسی کو ایڈگر کوئنٹ (Edgar Quinet۔ ۱۸۰۳ء-۱۸۷۵ء) نے کہا کہ ''ایشیا میں پیغمبر آتے ہیں اور یورپ میں ڈاکٹر ہوتے ہیں''[۱۳] مذہبی استعماری تعبیر میں یہ بات کثرت سے دہرائی جاتی ہے کہ مذہب، عورت پر جبر کا ہتھیار ہے لیکن اس متن میں یہ واضح ہے کہ عورت نامحرموں کے ساتھ بھی ویسے ہی پیش آسکتی ہے جس طرح وہ اپنے گھر والوں سے پیش آتی ہے۔ باوجود اس سب کے پوٹنگر انھیں، اپنے سفر نامے میں جگہ جگہ، وحشی اور غیر مہذب کے القابات دیتا ہے۔ یہ وہی پیمانہ ہے جو مغرب نے مشرق کے لیے متعین کیا ہے یا ذرا وسعت کے ساتھ نو آباد کار نے نو آبادیات کے لیے۔ گیبریل گارشیا مارکیز نے لاطینی امریکہ کے ضمن میں بھی یہی نکتہ اٹھایا ہے۔ ''وہ ہمیں اسی پیمانے سے ناپتے ہیں جو وہ اپنے لیے استعمال کرتے ہیں، مگر یہ یاد نہیں رکھتے کہ زندگی کی تباہ کاریاں سب کے لیے ایک جیسی نہیں ہوتیں اور ہمارے لیے شناخت کی تلاش ان کی نسبت خونی اور کٹھن ہے۔ اجنبی نظاموں کے تحت ہماری حقیقت کی تعمیر ہمیں اور زیادہ انجان بناتی ہے''[۱۴]۔ پوٹنگر اسی حقیقت کی تعمیر ہمارے لیے کر رہے تھے، اپنے وضع کیے گئے پیمانوں کے تحت جس کے متبادل وہ کسی پیمانے کو خاطر میں نہیں لاتے۔

ہنری پوٹنگر اور کیپٹن کرسٹی کو ایک موقعے پر جب جان کے لالے پڑ گئے تو انھوں نے خود کو ''ازبک'' کہا، حالاں کہ یہ بھی ایک مشرقی قوم ہے اور نو آبادیاتی بیانیے کے مطابق غیر مہذب اور وحشی۔ ہرات سے قلات آئے ہوئے ایک غلزئی تاجر نے جب ان کی ذات اور وطن کے بارے میں استفسار کیا تو کرسٹی نے جواب دیا:

> کہ ہم ایک ازبک خاندان کے افراد تھے جو چند قرون پہلے ہندوستان میں آباد ہو گیا تھا۔ وہ اس جواب سے مطمئن ہو گیا اور کہنے لگا کہ ہمارے رنگ سے یہی ظاہر ہوتا تھا۔[۱۵]

ایسے پُر پیچ تضادات ہی کی وجہ سے ایڈورڈ سعید نے شرق شناسی کو ''جناتی زنجیر'' سے تعبیر کیا ہے۔ ایسی زنجیر جو مسلسل بڑھتی جاتی ہے اور اس میں عجب، متضاد کڑیاں شامل ہوتی جاتی ہیں۔ ایک طرف مقامی آبادیوں کے علم کی کڑی ہے تو دوسری طرف ہر طرح کے جھوٹ، مکر اور تشدد کی کڑیاں ہیں۔ انسانی تاریخ میں عمومی تشدد کے لاکھوں واقعات درج ہیں لیکن یورپی نو آبادیاتی تاریخ نے جسمانی اور ذہنی تشدد کے ساتھ ساتھ ایک نئے قسم کے تشدد کو ایجاد کیا۔ علمیاتی تشدد۔ مقامی آبادیوں کے علم کو مسخ کرنا، اور اس مسخ شدہ علم کو انھی مقامی آبادیوں سے تعلق کی بنیاد بنانا، اور تعلیم و ذرائع ابلاغ پر اجارہ داری، نیز مردم شماری،

نقشہ جات، میوزیم، اخبارات، طباعتی اداروں پر اختیار کی مدد سے، اسی مسخ شدہ علم کو مقامی آبادیوں کے خود سے نئے تعارف کی بنیاد بنانا۔ چناں چہ اب تک یورپ خود کو غیر یورپ سے "مختلف" ہونے کے بجائے اعلیٰ، برتر اور مہذب تصور کرتا ہے۔ اس برتری میں، سفید نسل پرستی ایک لازمی عنصر کے طور پر موجود ہے۔

ہنری پوٹنگر نے اپنے سفر نامے کے باب چہارم کی پہلی عبارت میں نو آبادیاتی باشندوں کے بارے میں فیصل شدہ حقیقت کے طور پر وہی کچھ دہرایا ہے جو افریقہ، لاطینی امریکہ، ہندوستان اور آسٹریلیا وغیرہ کے بارے میں بھی دہرایا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> بلوچ، آبادی کا جزوِ اعظم ہیں بلکہ شاید صاف گوئی سے کام لیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ پورے بلوچستان کی آبادی ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جن کا ماخذ مبہم ہے اور جن کی تاریخ دیگر وحشیانہ قبائل کے مانند رومانوی داستانوں اور حیرت انگیز قصوں سے اتنی مملو ہے کہ مجھے ایک یا دوسرے کو قابل یقین شکل دینا بے حد مشکل ثابت ہوا۔[۱۶]

دنیا میں بسنے والے تمام انسانوں کا ماخذ مبہم ہے وگرنہ مذہبی تاویلات سے سائنسی تجزیات تک تاریخ سے علم الانسان تک سیکڑوں نظریات کیوں کر قائم ہوتے۔ جدید تحقیق کے مطابق انسان کا ابتدائی مسکن افریقہ ہے، جو پوٹنگر اور اس کے دیگر یورپی ہمنواؤں کے مطابق وحشی اور غیر مہذب لوگوں کی آماج گاہ ہے۔ اور انھی کے بارے میں جوزف کونریڈ (Joseph Conrad۔۱۸۵۷ء-۱۹۲۴ء) کے ناول قلب ظلمات (۱۸۹۹ء) کا کردار مارلو کہتا ہے۔ ”جب آدمی کو صحیح صحیح اندراجات کرنے ہوں تو ان وحشیوں سے نفرت ہو جاتی ہے... نفرت کے مارے جی چاہتا ہے، انھیں مار ڈالو“[۱۷]۔ لیکن یہ بیانیہ اس یورپ کے افادی علم کی مجبوری ہے جس میں کسی کو برتر ثابت کرنے کے لیے کسی کو کم تر قرار دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ وگرنہ یورپ بطور کبیری بیانیہ تشکیل ہی نہیں پاسکتا۔ مغرب میں چوں کہ عقیدے کا زور باقی دنیا کی نسبت پہلے ٹوٹا اور فرانسس بیکن (Francis Bacon۔۱۵۶۱ء-۱۶۲۶ء) کے سائنسی منہاج اور استقرائی منطق کی تشکیل، رینے ڈیکارٹ (René Descartes۔۱۵۹۶ء-۱۶۵۰ء) کے فلسفیانہ مباحث، گلیلو (Galileo Galilei۔۱۵۶۴ء-۱۶۴۲ء) اور کوپرنیکس (Nicolaus Copernicus۔۱۴۷۳ء-۱۵۴۳ء) کی لائی ہوئی تبدیلیوں نے حقیقت پرستی کی عمارت کھڑی کی۔ لیکن باقی ماندہ اقوام، علمی ارتقا کی اس رفتار سے آگے نہیں بڑھ سکیں تو یورپی دنیا نے ان کے لیے نئے نئے نام رکھے اور انھیں مختلف القابات سے نوازا۔

پوٹنگر نے بلوچوں کے ناہروئی قبیلے کے بارے میں لکھا ہے:

> وہ قوانین اور انسانی احساسات سے بے نیاز ہیں اور بلوچوں کا یہ وحشیانہ اور قزاقانہ حصہ ہیں۔ وہ انفرادی چوریوں کو انتہائی معیوب اور شرمناک سمجھتے ہیں لیکن کسی علاقے کو تاخت و تاراج کرنا مستحسن گردانتے ہیں اور اسے بہادری کا کارنامہ قرار دیتے ہیں۔ اسی احساس کے زیر اثر وہ ایسے مواقع پر انفرادی طور پر باقاعدہ شمار

کرتے ہیں کہ ہر ایک نے کتنے مرد عورتیں اور بچے قید کیے، اٹھا کر لے آئے یا قتل کیے کتنے گاؤں جلائے اور لوٹے اور کتنے ریوڑ ہنکا کر ساتھ نہ لاسکنے کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دیئے۔[۱۸]

ہنری پوٹنگر یہاں جن قوانین کی بات کر رہا ہے وہ یقیناً یورپی / مغربی قوانین ہیں جن سے وہ آگاہ ہے اور ان ہی قوانین کو آفاقی گردانتے ہوئے یہاں ان کی غیر موجودگی کی شکایت کر رہا ہے۔ پوٹنگر دوسری طرف ''انسانی احساسات'' سے بے نیاز ہونے کا ذکر کر رہا ہے۔ حالاں کہ یہ بات خلافِ فطرت ہے کہ کوئی انسان احساساتِ انسانی اور کوئی حیوان، احساساتِ حیوانی سے بے نیاز ہوں، لیکن ثقافت چوں کہ اضافی ہے اور یورپی اپنے ثقافتی مشاہدات کو لے کر اس کی نظیر پوری دنیا میں ڈھونڈ رہے تھے، اس لیے وہ آفاقیت انھیں ہاتھ نہ آئی اور چاہتے بھی نہیں تھے کہ ہاتھ آجائے کیوں کہ ایسی آفاقی ثقافت کی موجودگی، ان کے افادی علوم کی افادیت کو ضرر پہنچا سکتی تھی۔ اگر ایک مختصر نظر پوٹنگر کی "مہذب دنیا" پر ڈالی جائے تو ان قبائلیوں کی "وحشت" کا مفہوم بدل جائے۔ اگر ہم اس اصول کو تسلیم کریں کہ قوانین اور انسانی احساسات کا اطلاق ہر اس جگہ ہونا چاہیے، جہاں انسان کو اس کی انسانی حیثیت سے محروم رکھا گیا ہو تو پھر یورپیوں پر بھی اسی اصول کا اطلاق ہونا چاہیے۔ یہاں محض ایمی سی زیئا(Aimé Césaire۔ ۱۹۱۳ء-۲۰۰۸ء) کی کتاب *Discourse on Colonialism*(۱۹۵۰ء) سے دو اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں، جن میں اسی مہذب یورپ کے بارے میں کچھ تاریخی حقائق پیش کیے گئے ہیں۔

سی زیئا نے مشہور مغربی انسان دوست فلاسفر رینان(Ernest Renan۔۱۸۲۳ء-۱۸۹۲ء) کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

> حقیقی مساوات کو رواج دینا نہیں، غالب رہنا ہمارا مقدر ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں ایک نئے ملک کی غالب نسل پھر سے زرعی یا صنعتی مزدور بن جائے۔ عدم مساوات ختم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اسے مزید گہرا کر کے قانونی تحفظ فراہم کرنا ہے۔[۱۹]

سی زیئا نے تاریخ کے اوراق میں گم شہر ''امبیک'' پر چڑھائی کی اور فتح کرنے والے جنرل جیررڈ کے الفاظ یوں نقل کیے ہیں:

> ''امبیک'' کے باسیوں نے شہر کے دفاع کا کبھی تصوّر بھی نہ کیا تھا۔ سنتریوں کو صرف مرد ختم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی مگر خون ریزی کے جنون میں انھوں نے عورتوں اور بچوں کو بھی نہ بخشا اور اندھیرا ہونے سے قبل ایک ہنستی بستی، پرامن آبادی شہر خموشاں میں بدل دی گئی۔[۲۰]

اگرچہ جنگیں ہر خطہ ارض پر لڑی گئی ہیں، گلے کاٹے گئے ہیں اور خون بہایا گیا ہے لیکن قوانین، انسانی احساسات اور احتساب کے بارے میں تصوّرات اور ان کا اطلاق، دونوں طاقت کے ہاتھ میں رہا ہے۔ پوٹنگر چوں کہ خود کو طاقت ور، مہذب برطانیہ کا نمائندہ تصور کرتا ہے، اس لیے وہ بلوچستان کے لوگوں کو قوانین اور احساسات سے عاری کہتا ہے، اور یہ فراموش کر دیتا ہے کہ اسی زمانے میں خود برطانیہ، ایشیا و افریقہ اور دیگر خطوں پر قبضے اور استحصال میں قوانین اور انسانی احساسات کو روند رہا تھا۔

درج بالا تصریحات کے علاوہ پوٹنگر نے بلوچوں کے کھیل اور تفریحات کو بھی وحشی اور غیر متمدن قرار دیا ہے۔ ساتھ ساتھ قلات کے ہندوؤں کی ان رسوم کو جو انھوں نے مسلمانوں کی تقلید میں اختیار کی تھیں، انھیں ''بے ہودہ'' ٹھہراتا ہے۔ اس کے علاوہ پوٹنگر نے بلوچوں کے لیے ''کاہل''، ''جاہل''، ''پھوہڑ''، ''غارت گر''، ''جواباز'' وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یقیناً یہ اسی استعماری بیانیے کی بازگشت ہے جس میں ہندوستانیوں کو بندر سے تشبیہ دی گئی ہے اور سرکاری دفاتر کے دروازے پر یہ عبارت آویزاں ہوا کرتی تھی کہ یہاں ہندوستانیوں اور کتوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ اسی بیانیے کے تحت افریقیوں کو ''آدم خور'' بنا کر پیش کیا گیا۔ آسٹریلیا والوں کو بطور ''شئے'' پیش کر کے حس رکھنے والے عام آدمی سے الگ کر دیا گیا۔ فرینک، نارمن اور لیمبارڈ قبائل پر ہر صورت غالب آنے کا درس دیا گیا۔ اس استعماری بیانیے کے بعض اثرات اب تک ان ممالک میں موجود ہیں جو انیسویں اور بیسویں صدی میں یورپ کی نو آبادی تھے۔

علاوہ بریں ہنری پوٹنگر نے مقامی کھیلوں کو بھی "غیر متمدن لوگوں سے ایسی ہی توقع" کہہ کر طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ شکار کھیلنا، نشانہ بازی کرنا، تلوار بازی، کشتی اور نیزہ افگنی کو، کھیلوں کی کم تر صورت گردانا ہے، حالاں کہ نشانہ بازی اور شکار کھیلنا یورپ سمیت دنیا کے بیش تر حصوں میں رائج ہیں اور یورپ میں شکار کرنے کے لیے کتے پالنے کا خود اقرار بھی کیا ہے اور یہاں اسے ناپسندیدہ اور کم تر کہہ کر رد کر دیا ہے۔

پوٹنگر نے یہ سفر جاسوسی مقاصد کے لیے کیا تھا۔ اس کی رپورٹس خفیہ تھیں۔ یہ سفر نامہ، اس مقصد کا ضمنی حاصل ہے۔ لیکن یہ ایک بنیادی مقصد کا ضرور ترجمان ہے۔ یہ بلوچستان وسندھ کو سفید فام، توسیع پسند، یورپی نظر سے دیکھتا ہے۔ قدم قدم پر مقامی چیزوں کا مقابلہ 'مہذب یورپ' سے کرتا ہے۔ یہ سفر نامہ قدیم سفر ناموں سے مختلف ہے، جن میں عجائب اور حیرتوں کو سمیٹا جاتا تھا۔ یہ سفر نامہ مکمل طور پر مقصدی سفر نامہ ہے۔ بلوچستان وسندھ سے متعلق ایک ایسے 'علم' کی تشکیل کا ذریعہ ہے، جسے بعد میں ان خطوں پر اجارہ حاصل کرنے کے لیے بروئے کار لایا جاتا تھا۔

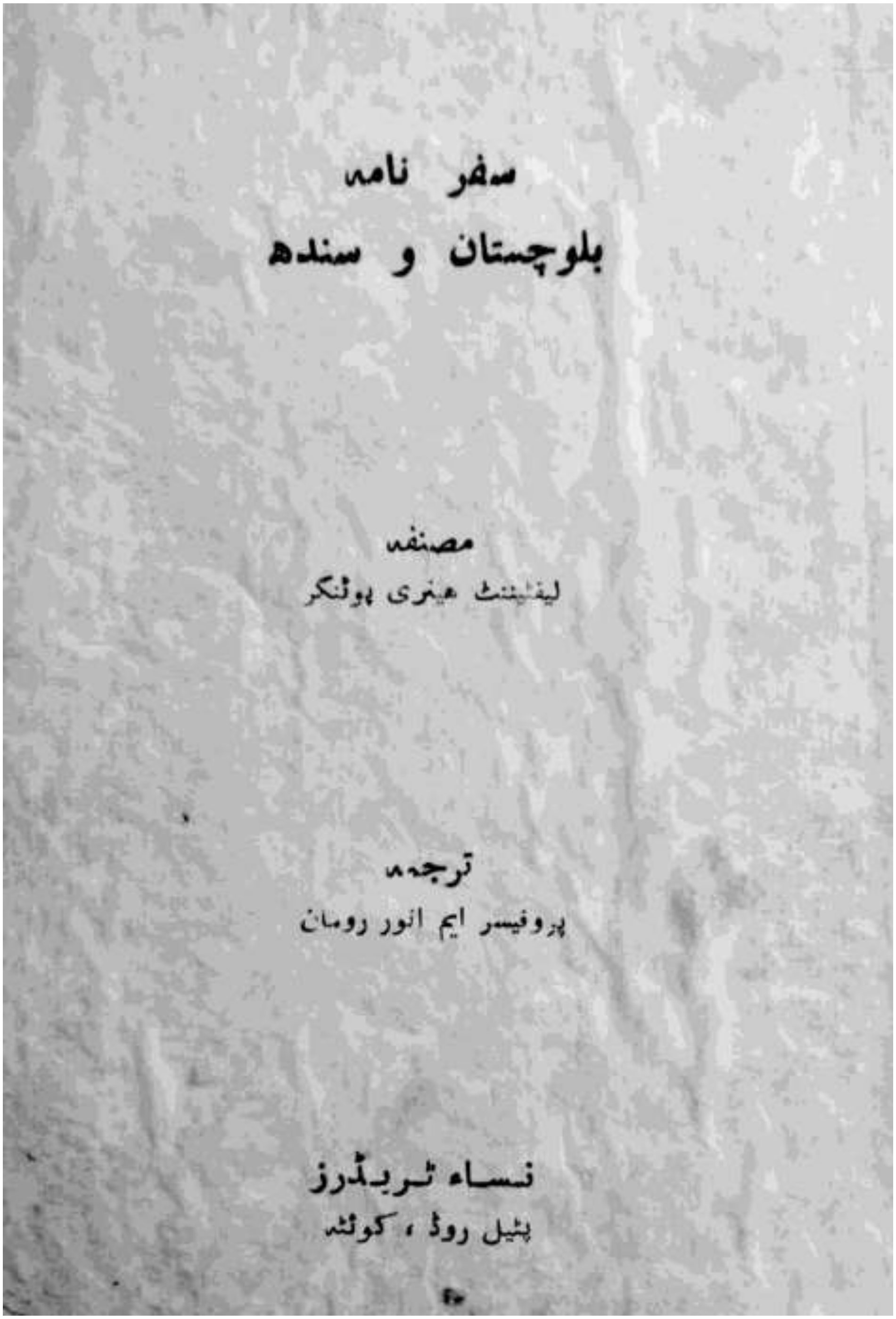

سفر نامہ
بلوچستان و سندھ

مصنفہ
لیفٹیننٹ ہنری پوٹنگر

ترجمہ
پروفیسر ایم انور رومان

نساء ٹریڈرز
پٹیل روڈ، کوئٹہ

TRAVELS

IN

BELOOCHISTAN

AND

SINDE;

ACCOMPANIED BY

A GEOGRAPHICAL AND HISTORICAL ACCOUNT

OF

THOSE COUNTRIES,

WITH A MAP.

BY LIEUTENANT HENRY POTTINGER,
OF THE HONORABLE EAST INDIA COMPANY'S SERVICE;
ASSISTANT TO THE RESIDENT AT THE COURT OF HIS HIGHNESS THE PEISHWA;
AND LATE ASSISTANT AND SURVEYOR WITH THE MISSIONS
TO SINDE AND PERSIA.

LONDON:
PRINTED FOR LONGMAN, HURST, REES, ORME, AND BROWN,
PATERNOSTER-ROW.
1816.

حواشی و حوالہ جات

* (پ:۲۰۰۱ء) ریسرچ سکالر، اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ am2004067@gmail.com

۱۔ ارسطو، میٹا فزکس (بلومنگٹن و لندن: انڈیانا یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۶ء)، ۱۵۔

اصل متن:

alone of all the sciences is free, for only this science exists for its sake.

۲۔ گالینا کیریلینکو [Galina Kirilenko] اور لیڈیا کورشنووا [Lydia Korshunova]، *What is Philosophy*? (ماسکو: پروگریس پبلشرز، ۱۹۸۵ء)، ۷۔

اصل متن:

However, Cicero, a famous thinker and orator, manifestly asserted the opposite: "Thou we are turning to, thou we are asking for help. On philosophy, the lodestar of life, neither we nor human life itself, could exist without you.

۳۔ جسٹن ڈی ایڈورڈز [Justin D. Edwards]، *Postcolonial Literature: A Reader's Guide to Essential Criticism* (نیویارک: پال گریو میک ملن پریس، ۲۰۰۸ء)، ۱۷۔

۴۔ بینیڈکٹ اینڈرسن [Benedict Anderson]، تصوراتی سماج (قوم پرستی کی ابتدا اور اس کی توسیع) مترجم: ظفر اللہ، لاہور، (مشعل بکس، ۲۰۱۸ء)، ۱۱۱۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ ناصر عباس نیّر، مابعد نوآبادیات (اردو کے تناظر میں) (کراچی: آکسفرڈ یونیورسٹی پریس، اشاعت اول ۲۰۱۳ء)، ۶۔

۷۔ فاروق بلوچ، بلوچستان اور برطانوی مؤرخین، (کوئٹہ: بلوچی اکیڈمی، طبع اول ۲۰۱۸ء)، ۳۵۔

۸۔ پروفیسر انور رومان ۱۹۲۴ء میں مشرقی پنجاب کے ضلع جالندھر (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے تاریخ میں ایم اے کرنے کے بعد وہ کوئٹہ کے سنڈیمن ہائیر سیکنڈری سکول میں لیکچرر تعینات ہو کر بلوچستان آ گئے، اور قیام پاکستان کے بعد انھوں نے کوئٹہ میں مستقل سکونت اختیار کی۔ وہ محکمہ تعلیم بلوچستان میں مختلف اہم عہدوں پر تعینات رہنے کے بعد ۱۹۸۴ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ تاہم ان کی سکونت کوئٹہ ہی میں رہی۔ وفات سے کچھ عرصہ قبل کوئٹہ کے خراب حالات کے باعث وہ اپنے ایک بیٹے کے پاس کراچی چلے گئے۔ جہاں ۲۰۱۳ میں ان کا انتقال ہوا، اور وہیں ان کی تدفین ہوئی۔ فیصل ریحان کے مطابق "ان کی تحریروں میں بلوچستان کی تاریخ کے ساتھ ساتھ یہاں کے ادب، ثقافت اور سماجی موضوعات نمایاں ہیں۔ وہ ایک اہم مترجم بھی ہیں، انھوں نے بلوچستان کی تاریخ کے متعلق کئی اہم انگریزی کتب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ انور رومان کو ادبی اصناف میں افسانے اور ڈرامے سے خصوصی لگاؤ تھا۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ وہ بلوچستان میں اردو کے پہلے افسانہ نگار بھی ہیں۔ انور رومان نے زیادہ تر غیر افسانوی تحریروں کا ترجمہ کیا ہے۔ اس لیے ان میں اسلوب سے زیادہ مطالب و مفاہیم کی ترسیل پر زور دیا گیا ہے۔ ان کے تراجم میں سفر نامہ قلات از میسن چارلس، پٹھان اور بلوچ از ایڈورڈ آلیور، پختون ولی، جیمز ڈبلیو سپین، سفر نامہ بلوچستان و سندھ، از لیفٹیننٹ ہنری پوٹنگر وغیرہ شامل ہیں۔

یہ معلومات اس مقالے سے ماخوذ ہیں:

فیصل ریحان، "انور رومان، بلوچستان میں نثری نظم کا پہلا شاعر" مشمولہ بنیاد، جلد۱۴ (لاہور: گرمانی مرکز زبان و ادب۔ لمز ۲۰۲۳ء)، ۲۹۱۔

۹۔ لیفٹیننٹ ہنری پوٹنگر [Lieutenant Henry Pottinger]، سفرنامہ بلوچستان و سندھ، مترجم: انور رومان (کوئٹہ: نساء ٹریڈرز، ۱۹۸۰ء)، ۱۔

اصل متن:

It was quite dark when we embarked; and as we had a fresh breeze, and got well out to sea during the night, we were less apprehensive of being recognised by our fellow voyagers; however, we succeeded so well in disguising ourselves, by partly changing the European for the native dress,

that although the Uffghans(afghans) concluded, from our complexions, that we were Europeans, they did not, in the least, suspect our real characters.

۱۰۔ ایڈورڈ سعید، شرق شناسی، مترجم: محمد عباس، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم ۲۰۱۲ء)، ۳۷۔

۱۱۔ لیفٹننٹ ہنری پوٹنگر، سفرنامہ بلوچستان و سندھ، مترجم: انور رومان (کوئٹہ: نساء ٹریڈرز ۱۹۸۰ء)، ۴۳۔

اصل متن:

A clearer picture of the savage life of the Bezunjas, and many other Belooche tribes, cannot well be portrayed than by this scene.

۱۲۔ الیفٹننٹ ہنری پوٹنگر، سفرنامہ بلوچستان و سندھ، مترجم: انور رومان، ۴۸-۴۹۔

اصل متن:

their manners were mild, simple, and prepossessing, and the only cares they seemed to have, in this peaceful retreat, were to protect their flocks from the nightly depredations of wolves and hyenas, to tend them while grazing during the day, and to milk them morning and evening; at all of which, both sexes were equally alert and skilful. The flocks were just brought home as we dismounted, and it was surprising to see with what quickness and regularity they were all milked and pent up; at this every soul assisted, from the father of the family to the infant that could just walk; the ewes were milked into separate pails from the goats, as the butter made from them is not considered so likely to keep when clarified, though, when fresh, it is preferred by the Brahooes as being stronger: when the household avocations were over, the women and children came and sat round our fire, and chatted without the least reserve; their demeanour, as well as that of the men, evinced a truly hospitable desire to oblige, uninfluenced by the hope of reward, and few, who have not been situated as we were a t that moment, can fully appreciate the gratification of such treatment as we met with from these wild and uncivilized shepherds.

۱۳۔ ایڈورڈ سعید، شرق شناسی، ۹۲۔

۱۴۔ گیبریل گارشیا مارکیز [Gabriel García Márquez]، میں یہاں نہیں ہوں (خطبات و مکالمات) ترجمہ: منور آکاش (لاہور: فکشن ہاؤس)، ۳۳۔

۱۵۔ ہنری پوٹنگر، سفرنامہ بلوچستان و سندھ، ۶۱-۶۲۔

without the least hesitation, that we were descended from an Oozbuck family that had been settled in Hindoostan for some generations.

۱۶۔ ہنری پوٹنگر، سفرنامہ بلوچستان و سندھ، ۶۸۔

اصل متن:

The Belooches, who form the great bulk, or perhaps, very strictly speaking, the whole of the population throughout Beloochistan, are a people whose origin is so obscure, and whose history, like that of all other barbarous tribes, is so blended with romantic fiction and tales of wonder, that I have found it exceedingly difficult to reduce either the one or the other to any credible form.

۱۷۔ جوزف کونریڈ [Joseph Conrad]، قلب ظلمات، مترجم: محمد سلیم الرحمٰن، (لاہور: القا پبلیکیشنز، ۲۰۱۴ء)، ۲۴۔

۱۸۔ جوزف کونریڈ [Joseph Conrad]، قلب ظلمات، مترجم: محمد سلیم الرحمٰن، ۷۴۔

اصل متن:

Bound by no laws, and restrained by no feelings of humanity, the Nharooes are the most savage and ' predatory class of Belooches; and, while they deem private there dishonourable and disgraceful in the extreme, they contemplate the plunder and devastation of a country with such opposite sentiments, that they consider it an exploit deserving of the highest commendation; and, steeled by that feeling, they will in- dividually recount the assistance they have rendered on such occasions, the numbers of men, women and children they have made captives and carried away or murdered, the villages they have burned ' and plundered, and the f locks they have slaughtered when unable to drive them off.

۱۹۔ ایمی سی زئیا[Aimé Césaire]، نوآبادیاتی نظام کا محاکمہ، مترجم: خالد محمود ایڈووکیٹ (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۹ء)، ۱۲۔

۲۰۔ ایمی سی زئیا[Aimé Césaire]، نوآبادیاتی نظام کا محاکمہ، مترجم: خالد محمود ایڈووکیٹ، ۱۶-۱۷۔

Bibliography

Anderson, Benedict. *Taṣavvurātī Samāj (Qaum-Parastī kī Ibtidā aur Is kī Tausee')*. Translated by Zafarullah. Lahore: Mashal Books, 2018.

Baloch, Farooq. *Balochistān aur Barṯānvī Mūarakhīn*. Quetta: Balochi Academy, 2018.

Césaire, Aimé. *Nau Ābādiyātī Niẑām kā Muḥākmah*. Translated by Khalid Mahmood Advocate. Lahore: Fiction House, 2019.

Edwards, Justin D. *Postcolonial Literature: A Reader's Guide to Essential Criticism*. New York: Palgrave Macmillan Press, 2008.

Kirilenko, Galina, and Lydia Korshunova**.** *What Is Philosophy?* Moscow: Progress Publishers, 1985.

Márquez, Gabriel García. *Maiṅ Yahāṅ Nahī Huṅ (Khutbāt o Mukālāmāt)*. Translated by Munawwar Aakash. Lahore: Fiction House, n.d.

Nayyar, Nasir Abbas. *Mābād Nau Ābādīyāt (Urdu kē Tanāẑur Meiṅ)*. Karachi: Oxford University Press, 2013.

Pottinger, Henry. *Safarnāmah Balochistān-o-Sindh*. Translated by Anwar Roman. Quetta: Nisa Traders, 1980.

Saeed, Edward W. *Sharq Shānāsī*. Translated by Muhammad Abbas. Islamabad: Muqtadira Qaumi Zaban, 2nd ed., 2012.